کائنات میں انسان کا مقام

(اسلامی نقطۂ نظر سے)

مولانا محمد تقی صاحب امینی - صدر مدرس مدرسہ معینیہ درگاہ شریف اجمیر

مولانا نے یہ مقالہ ابھی ۶ر جنوری کو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے یونین ہال میں پڑھا تھا، مقالہ پُر مغز بھی ہے اور فکر انگیز بھی، سُننے والوں نے اس کی خوب خوب داد دی اور بہت پسند کیا اب اس کو مزید اِفادے کی غرض سے "برہان" میں شائع کیا جا رہا ہے۔

(بُرہان) ——————

حضرات! دسمبر سنہ ۶۱ء میں تھیالوجیکل سوسائٹی کی دعوت پر حاضر ہوا تھا اور فقہ اسلامی پر چند مقالے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔[1]

اب جنوری سنہ ۶۳ء میں دوسرا موقع ملا ہے کہ اپنی زبان میں آپ سے کچھ گفتگو کروں۔

جیسا کہ معلوم ہے مقالہ کا موضوع "کائنات میں انسان کا مقام" ہے لیکن کسی بھی مسلم ادارہ کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ اس کے فکر ونظر پہ اسلام حاوی اور جد وجہد پر اسلام غالب ہو اس لئے موضوع پر جلی حرفوں سے "اسلامی نقطۂ نظر" کا اضافہ ضروری ہے۔

اور اگر یہ نقطۂ نظر کسی وجہ سے نظر انداز ہو گیا تو نہ صرف "ادارہ" کی اصل خصوصیت ختم ہو گی بلکہ ہمارے امانت خانہ کی حفاظت اور اسلامی خصائص کی کفالت کا ایک مضبوط قلعہ منہدم ہو جائے گا۔

---

[1] یہ مقالے ادارۂ علم وعرفان اجمیر سے شائع ہوئے ہیں۔

مسئلہ کی اہمیت و نزاکت | کائنات میں انسان کے مقام کا مسئلہ نہایت اہم و نازک ہے اسی پر انسانیت کی بقا و ارتقاء کا مدار ہے اور اسی پر دیگر مسائل کا حل موقوف ہے۔

لیکن انسان ایک سربستہ "راز" اور صناعی کا بہترین "شاہکار" ہے اس کی زندگی میں باریک تاروں اور پُرپیچ راہوں کا وسیع سلسلہ ہے۔

اس "راز" تک پہونچنے اور "شاہکار" کو سمجھنے کیلئے زندگی کے باریک تاروں کو چھیڑنا اور پُرپیچ راہوں سے گذرنا ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر مسافت طے کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

اور مقام کے تعین کے لئے ماورائے عقل پرواز کی ضرورت ہے کہ حدودِ عقل کی پروازیں اس سے کمتر اور فروتر درجہ کی ہیں۔

لیکن انسان وہاں سفر کرسکتا ہے جہاں اس کی توانائی اجازت دیتی ہے اور اسی منزل تک جاسکتا ہے جس تک عقل ساتھ دیتی ہے، راہیں اتنی پُرپیچ کہ قدم رکھتے ہی "توانائی" جواب دیدے اور "تار" اس قدر باریک متنوع کہ اُن کو چھیڑتے ہی وہ اُلجھ کر رہ جائیں۔

مسافت طے کئے بغیر اصل مقام تک پہنچنے کی کوئی شکل نہیں ہے اور تنہا سفر کرنے میں راستہ کی خطرناکیوں سے حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ صورتِ حال کس قدر پیچیدہ اور معاملہ کتنا نازک ہے؟ اس قسم کے سفر میں لازمی طور سے ایسے "رہبر" کی ضرورت ہوتی ہے جو راستہ کے نشیب و فراز سے نہ صرف واقف بلکہ رمز شناس ہو اور ایسی "روشنی" درکار ہوتی ہے جو اسی سفر کیلئے مخصوص اور باریک تاروں میں "توازن" پیدا کرنیکی صلاحیت رکھتی ہے۔

انسانیت کی قلبِ ماہیت | لیکن انسان آخر انسان ہے اور پھر جدید دُنیا کا انسان کہ جس نے اپنے لباس ہی کی تبدیلی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ دل و دماغ کے ان "کانٹوں" کو بھی بدلنے کی کوشش کی ہے جو انسان کی تلاش و جستجو میں چلا کرتے تھے اور ان "نشانات" کو بھی کھرچنے کا ارادہ کیا ہے جو مقامِ انسانی کی منزلیں بتایا کرتے تھے۔

بھلا اس سے کب توقع تھی کہ پُرخطر گھاٹیوں میں عبور کیلئے کسی "رہبر" کو ساتھ لیگا اور تہ بتہ تاریکیوں

کے پردے چاک کرنے کیلئے کسی "روشنی" کی ضرورت محسوس کرے گا۔

چنانچہ اس نے تنہا سفری پر بس نہ کیا بلکہ نہایت شدومد کے ساتھ "مقام" تک پہنچنے کا دعویٰ بھی کیا اور پھر اس لاف زنی و ناعاقبت اندیشی کا ہمیشہ جو نتیجہ نکلا کرتا ہے وہی نکل کر رہا کہ ایک طرف زندگی خود زندگی سے گریزاں ہوگئی اور دوسری طرف تمدن خود تمدن کا دشمن بن گیا۔

نکلا تھا مقام کی جستجو میں اور خود کو کھو آیا چلا تھا منزل کی تلاش میں اور قدم رکھتے ہی گم ہوگیا۔

بلاشبہ کائنات کی "عکاسی" کیلئے اس نے ایک "آئینہ" تیار کیا ہے جس میں انسان ہی کا صحیح عکس نظر نہ آیا اور بقیہ چیزوں کو بڑی حد تک اس نے پالیا ہے۔

اس "آئینہ" میں ایک "صورت" نظر آئی جس کو عقل و ہوس کی موشگافیوں اور سرمستیوں نے اختراع کیا تھا اس میں وحشت و حیوانیت کے آثار نمایاں تھے جن کی بنا پر ہر شخص اس سے خائف اور ہر فرد لرزاں تھا۔ جدید دنیا نے اسی کا نام "انسان" تجویز کیا اور "مقام انسان" روٹی و ملکیت کا وحشیانہ تصور قرار پایا کہ جس پر ہر اولوالعزمی و بلند پروازی کو قربان کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

قلبِ ماہیت کے محرکات | انسان کی یہ قلب ماہیت ناگہانی طور پر نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کے پس پشت عرصہ تک مختلف عوامل و محرکات کی کارفرمائی رہی ہے جن کی تفصیل کا اگرچہ یہ موقع نہیں ہے لیکن سرسری جائزہ میں کچھ مضائقہ بھی نہیں ہے۔

(۱) یورپ کی نشاۃ ثانیہ (یہ تحریک چودھویں صدی عیسوی سے شروع ہوکر تقریباً سولھویں صدی عیسوی تک شمار ہوتی ہے) کے وقت عیسوی مذہب کے اصلاح شدہ ایڈیشن میں درج ذیل قسم کی خامیاں و کمزوریاں موجود تھیں :-

(ا) زندگی کے ان "تاروں" کو چھیڑنے اور ان کی حرکات میں توازن پیدا کرنے میں یقیناً ناکام رہا تھا جو عقل کو جذبات پر فتحمند بناتے ہیں۔

(ب) ایمان و وجدان کی وہ کیفیت پیدا کرنے میں بے بس تھا جو غیر شعوری طور پر حقیقت کا احساس کراکے اس تک پہونچاتی ہے۔

(ج) اجتماعی اور تمدّنی مسائل سے اس کا تعلق نہ جوڑا گیا تھا۔

(د) عقل وقلب کا "آمیزہ" نہ تیار ہوا تھا کہ اس کی رہنمائی میں زندگی کے مسائل حل کئے جاتے۔

دراصل مذہب کی یہ اصلاح نہایت محدود تھی اور اس کا بیشتر حصّہ "پوپ" کے خلاف صدائے احتجاج پر مبنی تھا اور "ردِعمل" کے طور پر چند خرابیوں کے دُور کرنے ہی میں اس کا اثر ظاہر ہوا تھا اس طرح مذہب کا اصلاح شدہ ایڈیشن اس قابل نہ تھا کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی "توانائی" کو واپس لاکر رہبری و رہنمائی کے فرائض انجام دے سکتا۔

(۲) نشأۃ ثانیہ کے وقت رومی و یونانی تہذیب وتمدن سے جو چیزیں برآمد کی گئی تھیں ان میں دیگر علوم وفنون کے ساتھ ذیل کی چیزوں کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔

(ا) فکر وضمیر کی حریت۔ (ب) مادی ذہنیت۔ (ج) اور ذوقِ حسن ولطافت۔

یہ تینوں زندگی کے لئے جس قدر ناگزیر ہیں اس سے زیادہ خطرناک ہیں اگر ان کو آزادی دبیباکی کیساتھ برگ وبار لانے کا موقع ملا تو اُن کی وحشتناکی اور ہوسناکی کے وہ مناظر سامنے آئیں گے کہ دنیا "انگشت بدنداں" رہ جائے گی اور اگر ان کے استعمال میں فطری حدود وقیود کا لحاظ رکھا گیا تو پھر ان سے زیادہ نفع بخش اور سودمند کوئی چیز نہیں بن سکتی ہے۔

"نشأۃ ثانیہ" کی تاسیس میں ان تینوں کو مستقل مقام حاصل ہوا اور کسی خاص مزاحمت کے بغیر برگ وبار لانے کا موقع ملتا رہا۔

(۳) "نشأۃ ثانیہ" کے وقت زندگی کی گاڑی چلانے کیلئے ایسے تجربہ کار "ڈرائیور" نہ میسر آسکے جو احساس وجذبات (اسٹیم کی طاقت) کا صحیح اندازکر کے استعمال کیلئے کوئی لائحۂ عمل تجویز کرتے، جس سے یہ طاقت معتدل انداز میں خرچ ہوتی رہتی نہ بے موقع خرچ ہوتی اور نہ ضرورت سے زیادہ خرچ کی جاسکتی۔

اس وقت جو "ڈرائیور" (لیڈر) سامنے آئے وہ قوم کی پچھلی محرومیوں اور ناکامیوں سے اس قدر متاثر تھے کہ ان کے پیشِ نظر صرف زندگی کی گاڑی چلانا تھا سمت کے تعیّن اور رفتار کے توازن سے انھیں زیادہ سروکار نہ تھا۔

یا ان لیڈروں (ڈرائیور) نے قیادت کی باگ سنبھالی جو احساس وجذبات کی نیرنگیوں اور عقل کی

چیرہ دستیوں سے اس قدر مرعوب تھے کہ ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ موجودہ سطحوں سے بلند ہوکر زندگی کیلئے کوئی "گائڈ بک" (GUID BOOK) تیار کرتے اور اس میں جذب ہونے کو زندگی اپنی سعادت سمجھتی۔

فلسفۂ حیات کی شکل میں چند جدید نظریات غرض دورِ جدید (تقریباً سترھویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے) میں ایک ایسی زندگی کی تنظیم ہوگئی جو پرانی زندگی پر بہرصورت "نقاد" نظر آنے لگی اور فلسفۂ حیات کی شکل میں چند ایسے نظریات کو فروغ حاصل ہوا کہ جنھوں نے انسان کے "رُخ" کو ملاءِ اعلیٰ سے موڑ کر ملاءِ اسفل کی جانب کر دیا مثلاً :-

(۱) نظریۂ قومیت - جس نے قومی مملکت کو کائنات کی اعلیٰ ترین ہستی اور انسان کی اصل غرض و غایت قرار دیا، اس نے نفس قوت کی خاطر ترقی قوت کی تبلیغ کی اس سے بحث نہیں کہ یہ قوت کس سمت میں کام کرے گی اور پھر اخلاق و قانون اور مذہب وغیرہ کا کیا حشر ہوگا۔[۱]

(۲) نظریہ ارتقاء - جس نے انسان کو حیوانی النسل اور بندر کی ترقی یافتہ شکل قرار دیا اور اصل بنائے کار "مادہ" کو ٹھیرایا نفس و روح اور عقل و شعور وغیرہ مادہ ہی کی ایک صورت اور اسی کی کرشمہ سازیوں کا نتیجہ ہیں۔[۲]

(۳) نظریۂ جبلت - جس نے انسان کے اندر وہی جبلتیں تجویز کیں جو اس سے نچلے درجہ کے حیوانات میں ہیں اور انسان کی "فطرت" کو اس کی حیوانی جبلتوں ہی پر مشتمل بتایا۔[۳]

(۴) نظریۂ جنسیت - جس نے تحت الشعور کی تمام تر نوعیت میں محض جنسی محبت و خواہشات کا جذبہ تسلیم کیا اور انسان کو ایک مغلوب الشہوات حیوان میں تبدیل کر کے "فطرتاً" اس کو "برا" بتایا۔[۴]

(۵) نظریۂ اشتراکیت - جس نے انسان کو "مادہ" کی بنی ہوئی "کل" تسلیم کیا کہ انسان کی فطرت محض مادی حالت کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہے نیز روٹی، کپڑا، مکان و دیگر مادی اشیاء کے علاوہ اور کسی روحانی ضرورت کو انسان کیلئے "شجر ممنوع" قرار دیا۔

نظریات کا زندگی میں اثر اس طرح جدید دنیا میں

(۱) اصل مذہب کی جگہ سیاسی مذہب نے لیا۔

---

[۱] نظریۂ سلطنت صفحہ ۲۷ و ۲۸ [۲] تاریخ فلسفہ صفحہ ۴۹۳ اور حکایت فلسفہ صفحہ ۵۰۰ [۳] اساس نفسیات باب ہفتم۔
[۴] جدید نفسیات باب پنجم۔

(۲) انسان نورانی الاصل کی جگہ حیوانی النسل قرار پایا۔

(۳) فطرتِ انسان کی لطافت کو جبلت کی کثافت سے بدلا گیا۔

(۴) عفت و عصمت کے جذبہ کو جنسیت کی ہوسناکی میں تبدیل کیا گیا۔

(۵) انسان کے روحانی "آبگینہ" کو اشتراکیت کی قساوت نے پاش پاش کیا۔

اور بالآخر اس دور کا انسان ایک عجیب و غریب مخلوق بن کر رہ گیا کہ جب اس کو "نورانی" اوصاف کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے تو کہتا ہے کہ میں حیوانی نسل سے ہوں اس لئے حیوانیت ہی کے تقاضے میری زندگی میں ابھریں گے اور جب حیوانوں کی طرح چارپایوں پر چلنے کو کہا جاتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ میں انسان ہوں اگرچہ "بندر" میرا جد امجد ہے۔

اب انسان وہ انسان نہیں رہ گیا ہے جس کی شرافت و عدالت، امانت و دیانت کو یاد دلایا جاتا تھا۔ اور انسانی حمیت و غیرت کو ابھارا جاتا تھا بلکہ ایک ایسی "نوع" میں تبدیل ہو چکا ہے کہ جس کے اغراض و مقاصد مبدأ و منتہاء وغیرہ سب مختلف ہیں۔

چنانچہ شریف و صالح انسان وہ نہیں ہے جو اخلاقی جواہر و بلند کرداری سے آراستہ ہو بلکہ وہ ہے جو فتحیاب ہو کر بقاء و ارتقاء حاصل کرے خواہ اس کے اخلاق و کردار "درندے" جیسے ہوں اور رذیل و غیر صالح وہ ہے جو شکست کھا کر ناکام و نامراد رہے اگرچہ وہ "فرشتہ" جیسے خصائل و صفات سے متصف ہو[1]

یہ فلسفہ ماہیت کش اس بنا پر ہوئی ہے کہ عقل کو ایسی جگہ استعمال کیا گیا جو ماورائے عقل تھی اور جس تک رسائی انسان کے حیطۂ اختیار سے باہر تھی۔

خالقِ کائنات کا انتظام | خالق کائنات نے انسان کی اسی نارسائی کا لحاظ کر کے ابتداء سے اپنی "ہدایات" کا تسلسل قائم کیا ہے تاکہ ان کی روشنی میں زندگی کے باریک "تاروں" کو سمجھنے اور اس کی پُرپیچ راہوں سے گزرنے میں سہولت ہو۔

"ہدایات" کے ساتھ منظم انداز کے تحت ایسے رہنماؤں کے بھیجنے کا بھی بندوبست کیا ہے جو نہ صرف

---

[1] ملاحظہ ہو نظریۂ ارتقاء۔

راستہ کے نشیب و فراز سے واقف بلکہ اُن کے رمز شناس ہیں اور جن کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ انسان کو اصلی رنگ و روپ میں پیش کریں، اس کی تخلیقی قوتوں کو فطری صداقتوں کی شاہراہ دکھائیں اور کائنات میں اس کے کام اور مقام کی تعیین کریں۔

ہدایاتِ الٰہی کی حیثیت ان "ہدایات" کی حیثیت پرانے دستاویز یا OUT OF DATE قانون کی نہیں ہے، بلکہ مکمل دستورِ حیات اور منضبط کانسٹی ٹیوشن "CONSTITUTION" کی ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۶/۱۱۵ اور تمہارے رب کی سچائی اور انصاف کی بات پوری ہو کر رہی۔

یہ "ہدایات" کسی دور اور زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت دوامی اور عالمگیر ہے۔

لا تنقضی عجائبہ ولا یخلق	مجموعہ ہدایت کے عجائب (حقائق و معارف) کبھی
عن کثرۃ الرد (الحدیث)	ختم نہ ہوں گے اور بار بار تکرار سے پرانا بھی نہ ہوگا۔

ان میں ہر ترقی پذیر معاشرہ اور اقتضاء و مصالح کو جذب و انگیز کرنے کی پوری صلاحیت ہے۔

فقد انقصمت ظهور الفحول عن	ان کے ادراک سے مردمیدان کی کمریں ٹوٹ گئی ہیں
ادراکها وعجزت الافکار عن التطویف	اور افکار و تصورات کی بلند پروازی ان کے حریم کے
حول حریمها۔	گرد چکر لگانے سے عاجز آ گئی ہے۔

مجموعۂ ہدایت میں نہ کسی قسم کی تبدیلی کا سوال ہے اور نہ ہی عدم حفاظت کی بات قابلِ سماعت ہے۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۶/۱۱۵ اس کی باتوں (قوانین) کا کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۱۵/۹ بلا شبہ ہم نے قرآن اُتارا اور خود ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

رہنمایانِ انسانیت کا مقام اسی طرح وہ رہنمایانِ انسانیت جو ہدایات کو اپنے ساتھ لائے ہیں ان کی حیثیت تاجر یعنی سیاسی لیڈر کی نہیں ہے کہ وہ خود غرض ہوں اور انسانوں سے اپنی توقعات وابستہ رکھیں بلکہ داعی و قائد کی ہے جن کا سارا معاملہ اللہ کے سپرد ہوتا ہے چنانچہ ہر پیغمبر نے سب سے پہلے اپنی حیثیت واضح کی اور برملا کہا۔

وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۔ پ۱ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا ہوں میرا معاوضہ اللہ کے ذمہ ہے۔

ممکن ہے رہنماؤں کی یہ حیثیت ان فلسفیوں کی سمجھ میں نہ آئے جنھوں نے انسان کو بالطبع خود غرض قرار دیاہے اور یہ کہاہے کہ انسان کے سارے کام نفع ذات کیلئے ہوتے ہیں حتیٰ کہ ماں باپ کی محبّت بھی خود غرضی سے خالی نہیں ہوتی ہے۔

لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جو کچھ انھوں نے کہا وہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے اور انہیں کی تحقیقات پر دنیا کے سارے مسائل ختم ہوگئے ہیں اب مزید تحقیق کی گنجائش نہیں ہے ؟

اگر بالفرض فلسفیوں کی اس تحقیق کو ہم تسلیم کرلیں جب بھی کوئی دشواری نہیں آتی ہے کیونکہ ان رہنماؤں کے پیشِ نظر دنیوی غرض نہیں ہوتی ہے البتہ حقیقی غرض اللہ کی رضا و محبت بدرجۂ اتم ان میں موجود ہوتی ہے قرآن حکیم نے اسی کو وجہ اللہ" سبیل اللہ اور رضات اللہ وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

یہ "راہنما" علم و حکمت کے اس بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں کہ جہاں سے ہر شئی کی گہرائی تک پہنچنا اور پھر سارے پہلوؤں کو سامنے رکھ کر مبصرانہ حیثیت سے گفتگو کرنا آسان ہوتا ہے۔

حدیث" لکل حد مطلع" میں علم و حکمت کے اسی درجہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ "مطلع" اس "جھروکہ" کو کہتے ہیں جو انتہائی بلندی پر ہوتا ہے اور انسان اس بلندی پر چڑھ کر تمام متعلقہ چیزوں سے واقفیت حاصل کرلیتا ہے۔ علم و حکمت کے اس درجہ میں وہ تمام باریکیاں اور گہرائیاں موجود ہیں جو مقامِ انسانی کی دریافت کے لئے ناگزیر ہیں مثلاً

(۱) حقائقِ اشیاء کی معرفت (۲) ہر شئی کو مناسب محل میں رکھنے کی صلاحیت (۳) انوارِ قلوب و اسرارِ غیوب سے واقفیت (۴) حیوانی اور انسانی تقاضوں میں امتیاز کی قوت (۵) عقل کی رہنمائی و قلب کی بصیرت (۶) نفس و شیطان کی دقیقہ رسی سے آگاہی (۷) برائیوں کی صحیح نشاندہی کرکے علاج کی صحیح تدبیریں (۸) اور بھلائیوں پر واضح خطوط کھینچ کر عمل کرانے کی ٹھیک ترکیبیں وغیرہ۔

دراصل زندگی کی گاڑی چلانے کا حق انھیں حضرات کو حاصل ہے یہی اسٹیم (احساس و جذبات) کی طاقت کا صحیح اندازہ کرسکتے ہیں اور یہی طاقت کے استعمال و طریقِ استعمال میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کیلئے "لائحۂ عمل" تجویز کرسکتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان بزرگوں نے روحوں اور دلوں کی بستیاں اُلٹ کر انسان کو عظمت و رفعت کے ایسے مقام پر فائز کیا ہے کہ مادی دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی ہے اور زندگی کے لئے ایسا "گائڈبک" تیار کر کے دیا ہے کہ زندگی اس میں جذب ہونے کو اپنی سعادت سمجھتی رہی ہے۔

"انسان" کے باب میں انھیں ہدایات اور رہنماؤں کے پیش کئے ہوئے نقطۂ نظر کو اسلامی نقطہ نظر کہا جاتا ہے چونکہ ان کی پرواز نہایت بلند اور ماورائے عقل بھی ہوتی ہے۔ اس لئے فطری طور پر یہی "نقطۂ نظر" مقام انسان کی صحیح نشان دہی کر سکتا اور اس کے ظاہر و باطن کے مناسب، حال بن سکتا ہے اور جب انسان کی شان کے مناسب اس کا حال و مقام معلوم ہو گیا تو پھر اسکی تیار کی ہوئی دنیا کے دیگر مسائل کا خاطر خواہ حل نکالنے میں کوئی دشواری نہیں رہتی ہے۔

انسان کے مقام کیلئے چار چیزوں میں غور و خوض کی ضرورت ہے اسلامی نقطۂ نظر سے کائنات میں انسان کا مقام اس قدر بلند اور ہماری حدبندی سے ماوریٰ ہے کہ جس جگہ عقل کی سرحد ختم ہوتی ہے۔ وہیں سے اس کی ابتدا ہوتی ہے اور عقل کی جو انتہائی پرواز ہے وہ اس کا نقطۂ آغاز ہے چنانچہ "عارفین" نے انسان کی اصل حقیقت کی سراغرسانی کیلئے بنیادی حیثیت سے چار چیزوں میں غور و فکر کو ضروری قرار دیا ہے۔

(۱) انسان کی اصلیت (۲) کارکردگی کی صلاحیت۔

(۳) کام کی نوعیت (۴) جدوجہد کا میدان۔

انسان کی اصلیت ان چاروں کی وضاحت کے بعد کائنات میں انسان کا مقام خود بخود اُبھر کر سامنے آجاتا ہے

(۱) انسان کی اصلیت۔

(۱) کائنات کی دیگر چیزیں لفظ "کُن" کے اشارہ سے ظہور پذیر ہوئی ہیں لیکن انسان کی پیدائش میں خالقِ کائنات کا دستِ خاص مصروفِ عمل رہا ہے۔

خَلَقْتُ بِيَدَيَّ $\frac{۷۵}{۳۸}$ اپنے ہاتھوں سے میں نے اس کو بنایا۔

(۲) پیدائش کی اس خصوصیت کی بنا پر انسان عظمت و بلندی کے ساتھ نہایت اونچے مقام پر فائز ہوا ہے۔

لا اجعل من خلقته بیدی	جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اپنی روح اس میں
ونفخت فیہ من روحی کمن	پھونکی اس کو ان مخلوقات کے برابر نہ کروں گا جن کو میں
قلت لہ کن فکان (حدیث قدسی)	نے لفظِ کُن سے بنایا ہے۔

(۳) انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل نہیں ہے بلکہ ما فوقِ حیوان ایک مستقل مخلوق ہے جو خالق کی "صناعی" کا بہترین شاہکار ہے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ	اے انسان کرم کرنے والے پروردگار سے کس
الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ	چیز نے تجھ کو فریب دیا، اس نے پیدا کیا تندرست
فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ	کیا نظم زندگی کو ٹھیک کیا پھر جس صورت میں
رَكَّبَكَ ۸۲/۶	چاہا ترتیب دیا۔

(۴) کائنات کو مسخر کرنے کے تمام "جواہر" جو انسان کے اندر ودیعت ہیں وہ حیوانیت کی بتدریج ترقی کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ اس بات کا "کرشمہ" ہیں کہ خالقِ کائنات نے اس میں اپنی روح پھونکی ہے۔

ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ	پھر اللہ نے انسان کو درست کیا اور اس میں
رُوحِهِ ۳۲/۹	اپنی روح سے (کچھ) پھونک دیا۔

(۵) جواہرِ انسانیت جو اس کو دیگر تمام مخلوق سے بلند و ممتاز کرتے ہیں وہ "مادہ" کی نشوونما ارتقاء کی بنا پر نہیں ظاہر ہوئے ہیں بلکہ اس بنا پر ہیں کہ خالقِ کائنات نے اپنی صفات کا "پرتو" ڈالا ہے اور انہیں صفات کے ساتھ متصف ہونے کا حکم دیا ہے۔

تخلقوا باخلاق اللہ (الحدیث)	اللہ والے اخلاق کو اپنے اخلاق بناؤ۔

(۶) انسان کی تمام غیر معمولی تخلیقی و تنظیمی صلاحیتیں اول ہی دن سے اس کی فطرت میں ودیعت ہیں اور اس بنا پر ہیں کہ اس کو خاص فطرت پر پیدا کیا گیا ہے نہ کہ ارتقاءِ حیاتیاتی کے مراحل طے کرنے سے ہیں جیسا کہ نظریۂ ارتقاء کی تشریح میں ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۳۰	اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا

(۷) یہ فطرت انسان کو پیدائشی طور پر نیک و صالح قرار دیتی ہے اور اس کی روشنی زندگی کے ہر موڑ و موقف پر "لائٹ" کا کام کرتی ہے۔

جس طرح تخم میں بالقوۃ نشوونما اور درخت بننے کی استعداد موجود ہوتی ہے اسی طرح فطرت میں نشوونمائی اور برگ و باری کی پوری استعداد ہے۔

کل مولود یولد علی الفطرۃ [۱] ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

(۸) فطرت وہ "نیچرل کانسٹی ٹیوشن" ہے کہ جس پر انسان پیدائش کے ابتدائی مرحلہ میں روحانی لحاظ سے بنایا جاتا ہے۔[۲]

نہ مقابل، محاذ کی طاقت اس کی "توانائی" کو بالکلیہ ختم کر سکتی ہے۔ اور نہ زندگی کا کوئی "موڑ" اس کو بدل سکتا ہے۔

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۳۰/۳۰ اللہ کی خلقت کیلئے کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

البتہ جب دوسرے مخالف موثرات کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے اور جب بھی موقع ملتا ہے تو پھر ابھر کر نمودار ہو جاتی ہے۔

(۹) خالقِ کائنات نے زندگی کی پُرخطر راہوں سے عبور اور نشیب و فراز سے واقفیت کیلئے ایسی قوتیں عطا کی ہیں کہ انسان ان کے ذریعہ بڑی آسانی سے سفر کر سکتا ہے۔

وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۳۲/۹ اللہ نے تمہارے لئے دیکھنے سننے کی طاقت اور سمجھنے کی صلاحیت بخشی۔

(۱۰) اور مختلف انداز کی کُلّی "توانائیاں" ودیعت کی ہیں کہ ان کی مدد سے حیوانی و شہوانی تقاضوں پر غلبہ پا سکتا ہے۔

کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ ۱۷/۸۴ ہر ایک اپنے اس طریقہ پر عمل کرتا ہے جس پر

ای طریقتہ التی جبل علیہ [۳] اس کی جبلت کی گئی ہے۔

---

[۱] بخاری و مسلم [۲] عروج و زوال کا الٰہی نظام ص ۲۵ [۳] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۲۰ و ۲۲

(۱) غرض انسان کو ظاہر و باطن ہر لحاظ سے نہایت اونچے معیار پر بنایا گیا ہے نچلے درجہ کے ساتھ مشابہت شان کے منافی اور وقار کو چیلنج ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۹۵/۴ ہم نے انسان کو نہایت عمدہ پیمانہ پر پیدا کیا ہے۔

ان تمام تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں انسان کی اصل "نورانی" ہے اور اس کی پرواز خالقِ کائنات کی طرف ہے نہ کہ کائنات کی کسی اونچی سے اونچی روشنی کی جانب۔

اگر اس کو حیوان کی نسل سے مانا جاتا ہے جیسا کہ "ڈارون" CHARLESDARWIN کا خیال ہے تو قلبِ ماہیت ہوتی ہے اور انسان کا رجحان چند حیوانی ضرورتوں اور سطحی تقاضوں میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔ نیز فطرت وغیرہ زندگی کے مؤثرات و محرکات کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

جن مسلم مفکرین (ابن مسکویہؒ و مولانا رومؒ وغیرہ) کے یہاں "ارتقاء" کا ذکر ملتا ہے اس سے مراد نفسیاتی ارتقاء ہے نہ کہ حیاتیاتی ارتقاء جس کا تعلق انسانی و حیوانی خصائل سے ہے اور ان دونوں کی نمائندگی قوتِ ملکیہ اور بہیمیہ وغیرہ نام سے انسان میں موجود ہے۔

کارکردگی کی صلاحیت | (۲) کارکردگی کی صلاحیت۔

(۱) خالقِ کائنات نے انسان کو ایک ایسے علم سے نوازا ہے کہ کائنات کی کسی مخلوق کو وہ علم نہیں عطا کیا ہے اور وہ حقائقِ اشیاء کا علم ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ۲/۳۱ اللہ نے آدمؑ کو "الاسماء" کا علم سکھایا۔

محققین و مفسرین نے "الاسماء" سے حقائقِ اشیا کا علم مراد لیا ہے۔ [۱]

اور علم سے اجمالی علم مراد ہے جس سے صلاحیت کی طرف اشارہ ہے۔

علما اجمالیا ولیس المراد العلم التفصیلی [۲] "اجمالی" مراد ہے نہ کہ تفصیلی علم۔

اس علم کی فضیلت و بزرگی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ "فرشتے" جو کائنات میں متصرف اور کارپرداز کی حیثیت رکھتے ہیں وہ بھی اس کے مقابلہ سے عاجز رہے اور لاعلمی کا اظہار عجز کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

---

[۱] احکام القرآن ج۱ ص۳۳ و تفسیر مظہری ج۱ ص۵۰ [۲] تفسیر مظہری ج۱ ص۵۱

سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ۔ خدایا ساری پاکیاں اور بڑائیاں تیرے لئے ہیں ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں
اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ۔ جتنا تو نے ہمیں سکھلا دیا ہے علم تیرا علم ہے اور حکمت تیری حکمت ہے۔

(۲) انسان کو تحصیلِ علم کے تین ذریعے عطا ہوئے ہیں اور یہ تینوں ایک ساتھ کسی اور مخلوق کو نہیں دیئے گئے ہیں۔

(۱) محسوسات (۲) معقولات (۳) مغیبات۔

طرق العلم ثلثةٌ الاخذ من المحسوسات ۔ علم کے تین راستہ ہیں (۱) محسوسات سے علم حاصل
والانتقال من المعلوم الی المجهول ۔ کرنا (۲) معلوم سے نا معلوم کی طرف پہنچنا۔
والتلقی من الغیب [۱] ۔ (۳) اور "غیب" سے علم حاصل کرنا۔

(۳) انسان کو عقل و تجربہ کی ایسی رہنمائی عطا ہوئی ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں اس کے تابعِ فرمان کر دی گئی ہیں یعنی ان کو تابع بنانے کی اہلیت بخشی گئی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مِّنۡهُ ۔ اللہ نے آسمان و زمین کی ساری چیزیں اس کے تابع فرمان کر دیں۔

حتیٰ کہ "فرشتے" جیسی عظیم مخلوق کہ باطنی طور پر کائنات کا در و بست اُن کے سپرد ہے وہ بھی اس رہنمائی کے آگے حلف وفاداری پر مجبور ہوئے اور جو کوئی بھی وفاداری کیلئے تیار نہ ہوا وہ راندۂ درگاہ کر دیا گیا۔

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے سر بسجود ہو جاؤ تو وہ جھک گئے مگر ابلیس کی گردن نہیں جھکی اس نے انکار کیا گھمنڈ کیا اور کافروں کے زمرہ میں ہو گیا۔

(۴) علم و عقل کی تربیت کیلئے ایک عرصہ تک انسان کو "جنت" میں رکھا گیا اور جنت میں ساری آزادی و سہولتیں مہیا کی گئیں تاکہ وہاں کے نظام اور تعمیر و ترقی کو سمجھ کر صلاحیتیں نکھار اور علم میں جلاء پیدا ہو۔

---

[۱] عبقات ص۷

وَقُلْنَا يَآدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۲/۳۳
اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم میاں بیوی جنت میں رہو اور فراغت و آزادی کے ساتھ جہاں چاہو کھاؤ پیو۔

(۵) جب "ٹریننگ کورس" پورا ہوا اور تربیت مکمل ہوگئی تو "کائنات" بطور امانت انسان کے حوالہ کردی گئی کہ اسی کے حل و عقد میں خودی و خودداری کا راز پوشیدہ اور در و بست میں صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا احساس خوابیدہ تھا۔

"یہ امانت" اس قدر نازک و عظیم تھی کہ ہر اہم مخلوق کے سامنے پیش کی گئی اور سب کی "توانائی" نے جواب دیدیا لیکن حضرت انسان نے اپنی قیادت و سیادت کی نشہ میں اس کو قبول کر لیا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۳۳/۷۲
ہم نے آسمانوں کے سامنے زمین اور پہاڑوں کے سامنے "امانت" پیش کی ان سب نے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن انسان نے اس کو برداشت کر لیا۔

(۶) تربیت کی تکمیل اور صلاحیت میں پختگی کا مشاہدہ اس وقت ہوا کہ انسان نے "شجرِ ممنوعہ" کو استعمال کیا اور جرم کا احساس ہوتے ہی عجز و نیازمندی کی گردن جھکا کر کہنے لگا۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۷/۲۳
اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہماری بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

نافرمانی شیطان نے بھی کی اور انسان سے بھی ہوئی لیکن شیطان نے غرور و سرکشی کی راہ اختیار کی اور جرم کے بعد اس نے کہا

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ ۷/۱۲
میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے بنایا۔

لیکن انسان نے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور فوقیتوں کے باوجود عجز و نیازمندی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا کہ اسی میں تربیت کی تکمیل اور صلاحیت میں پختگی کا راز پوشیدہ تھا اور اسی بنا پر تمام مظاہر قدرت

سے وہ افضل ہونے کا مستحق ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ۱۷/۷ اور ہم نے انسان کو معزز بنایا۔

اوپر کی تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کی صلاحیتوں میں خالقِ کائنات کی جھلک اور اس کے "انوار" کا عکس ہے۔

اگر اس کی جبلتیں یا نفسیاتی بنیادیں تمام تر حیوانی جبلتوں پر مبنی ہوتیں جیسا کہ مشہور ماہر نفسیات "میکڈوگل" MCDOUGALL کا خیال ہے۔ تو انسان نہ ان صلاحیتوں کا اہل ہوتا اور نہ ہی اسمیں وہ "لطافت" پیدا ہوتی جو ان کیلئے درکار ہے۔

کام کی نوعیت (۳) کام کی نوعیت۔

انسان کی اصلیت وصلاحیت کے پیشِ نظر لازمی طور سے اس کے کام کی نوعیت ایسی ہونی چاہئے کہ جس میں کائنات کی اور کوئی مخلوق سہیم وشریک نہ بن سکے چنانچہ خالقِ کائنات نے اس کی حیثیت کے مطابق اپنی "نیابت" کا کام سپرد کیا ہے۔

اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۲/۳۰ میں زمین میں "نائب" مقرر کر رہا ہوں۔

ظاہر ہے کہ "نیابت" کا کام کس قدر اہم اور ذمہ داری کتنی نازک ہے؟ جبتک راستہ کے نشیب و فراز سے واقفیت اور خطرات سے آگاہی نہ ہو، سرحد پر سنگ نشان اور بنیادی ہدایتیں نہ ہوں اس وقت تک اس عظیم ذمہ داری سے سبکدوشی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اسی بنا پر خالقِ کائنات نے عہدۂ نیابت پر بھیجتے وقت درجِ ذیل بنیادی باتوں کی ہدایت کی تھی۔

(۱) مخالف طاقتوں (نفس وشیطان وغیرہ) سے ہوشیار رہنا اور دامن بچا کر کام کرتے رہنا

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۲/۳۶

(۲) دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا ہے بلکہ ایک مقررہ وقت تک "ڈیوٹی" دینا ہے اس لئے اسکو مقصودِ زندگی نہ بنانا وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ ۲/۳۶

(۳) کائنات کی چیزوں کو استعمال کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا لیکن اپنی حیثیت کو کسی لمحہ بھی

فراموش نہ ہونے دینا۔ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۲/۳۶

ان کے علاوہ خالقِ کائنات نے چلتے وقت چند ابدی حقائق اور ناقابلِ تغیر اخلاقی قوانین سکھائے تھے جن میں دعا و استغفار کے "کلمٰت" بھی شامل تھے۔

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ۲/۳۷

لیکن کام کی اہمیت و نزاکت کے پیشِ نظر ان ہدایتوں سے ہمیشہ کام چلنے والا نہ تھا، راہ بڑی پُرپیچ اور منزل نہایت دشوار گذار تھی اس لیے خالقِ کائنات نے وقتاً فوقتاً حسب ضرورت "ہدایات" کے بھیجتے رہنے اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ ودیعت کی ہوئی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے رہنے کا وعدہ فرمایا تھا

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى الخ ۲/۳۸

"نیابتی اُمور" کی انجام دہی کیلئے اس انتظام کی مثال یوں سمجھیئے کہ جب کسی شخص کو اہم ڈیوٹی سپرد ہوتی ہے تو صلاحیت و مقابلہ کے امتحان میں کامیابی حاصل کرلینے کے باوجود اسے باقاعدہ ٹریننگ دی جاتی ہے مقامی کیفیات و حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے کام کی نوعیت اور حالات کے نشیب و فراز سے واقف کرایا جاتا ہے۔ ان تمام مرحلوں سے گذارنے کے باوجود عہدہ پر پہنچتے وقت بھی چند ہدایتیں دی جاتی ہیں اور وقتاً فوقتاً حکم و احکام کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے، بہت سی باتوں کی حال و مقام کی مناسبت سے تفصیلات دی جاتی ہیں اور بہت سی باتوں میں متعلقہ "افسر" کی عقل و بصیرت پر اعتماد کرکے صرف "پالیسی" کے تعین پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ غرض اس انتظام و اہتمام کے بعد حضرت انسان عہدہ پر تشریف لائے اور اپنے کام کی انجام دہی میں مشغول ہوئے۔

"نیابتی کاموں" کی اصل نوعیت یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں بحیثیتِ مجموعی خالقِ کائنات کی "نمود" ہو اور نظامِ زندگی میں اس کی "حکمتِ عملی" کا ظہور ہو۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً	اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں نائب بنایا
فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ
بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ	فیصلہ کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۳۸/۲۶	وہ اللہ کے راستہ سے گمراہ کردیں گی۔

ایک طرف زندگی میں صفاتِ الٰہیہ منعکس ہوں تو دوسری طرف تخلیق و تسخیر کے وہ کارہائے نمایاں انجام پائیں کہ جن سے ذاتِ خداوندی آشکارا ہو۔ ؎

نمود اس کی، نمود تیری، نمود تیری، نمود اس کی ؛ خدا کو تو آشکار کر دے خدا تجھے آشکار کر دے

اور دونوں میں اس انداز کا ربط و ضبط قائم ہو کہ اگر خالقِ کائنات قلبِ انسانی میں جلوہ فگن ہوں تو قائدِ کائنات نورِ الٰہی کو اپنی نگاہ میں سموئے ہوئے ہو۔

جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے :-

لایسعنی الا قلب مومن (الحدیث)	میری سمائی بجز قلبِ مومن کے اور کہیں نہیں ہو سکتی ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اتقوا فراسۃ المومن فانہ	مومن کی فراست سے ہوشیار رہو کیونکہ وہ
ینظر بنور اللّٰہ (الحدیث)	اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

جن فلسفیوں نے خالق و مخلوق کے اس "ربط" کو نہیں سمجھا ہے ان کو عارفین نے اس طرح سمجھایا ہے

دل را اگر تو صاف کنی ہمچو آئینہ	در روئے جمالِ دوست بہ بینی چو آئینہ
رد در دلِ من است دمن اندر کف دیم	چوں آئینہ بدستِ من و من در آئینہ

ظاہر ہے کہ اگر تحت الشعور جذبہ کی تمام تر نوعیت جنسی محبّت کو قرار دیا جائے جیسا کہ فرائڈ "S'L GMUND FREUD" کا خیال ہے۔ تو خالق و مخلوق کا مذکورہ ربط نہیں قائم ہو سکتا ہے یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس جذبہ کی حقیقت براہِ راست خدا کی محبت قرار پائے۔

جدوجہد کا میدان | (۴) جدوجہد کا میدان۔

عہدہ کی قدر و منزلت کے پیشِ نظر خالقِ کائنات نے جدوجہد کے دو عظیم الشان میدان انسان کے سپرد کئے ہیں (۱) ایک خودی کی ذات (۲) دوسرا پوری کائنات اور ان دونوں میں باہمی نسبت و تعلق اس قسم کا رکھا ہے کہ اگر کسی ایک سے غفلت برتی گئی تو نتیجہ ہلاکت و بربادی کی شکل میں ظاہر ہونا یقینی ہے۔

یعنی اگر صرف کائناتی تصرف کی طرف توجہ ہوئی اور اس کے ساتھ بلند تصورات و اخلاقی اقدار کی تنظیم نہ ہوئی تو آگے چل کر انہیں تصرفات کی وجہ سے تمدن خود تمدن کا دشمن بن جائے گا۔ اور اگر بلند تصورات و اخلاقی اقدار کے ساتھ "تصرفات" کا ارتقائی سلسلہ نہ جاری رہا تو اس سے نہ کوئی مضبوط و پائدار "کلچر" پیدا ہوگا اور نہ ہی قیام و بقاء کی ضمانت حاصل ہوگی۔

دونوں میں اس نسبت و تعلق کو برقرار رکھنے کیلئے خالقِ کائنات نے حسب وعدہ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ "ہدایات" بھیجنے کا مستقل سلسلہ جاری رکھا، ایک میدان سے متعلق تفصیلی ہدایات آتی رہیں، اور دوسرے میں صرف مرکز و بنیاد متعین کرنے پر اکتفاء کیا جاتا رہا۔

چونکہ انسان کائنات کا قائد و اللہ کا نائب ہے لازمی طور سے اس کی زندگی مقابلۃً زیادہ پُر پیچ و نظامِ زندگی زیادہ دشوار طلب ہے۔ پھر معاملہ اپنی ذات کا ہے جس میں خود کی "توانائیاں" اپنے لئے بالعموم جواب دیدیتی ہیں۔ اس لئے انسان کو اپنی زندگی کے قیام و بقا کی خاطر لامحالہ تفصیلی رہنمائی اور واضح احکام و قوانین کی ضرورت ہے۔

لیکن کائنات کا معاملہ اس سے زیادہ آسان ہے کیونکہ انسان خود اس کا حاکم و متصرف موجود ہے اور کائناتی تصرفات انسان ہی کی غیر محدود خواہشوں اور ضرورتوں کی پیداوار ہیں اس لئے نہ بیرونی تفصیلی رہنمائی کی ضرورت ہے اور نہ ہی وہ رہنمائی تغیر پذیر اور نوع بنوع تصرفات کا ساتھ دے سکتی ہے۔

ان تصرفات کے باب میں صرف مرکز و بنیاد متعین کرنے اور فطرات پر سنگ نشان قائم کر دینے کے بعد عقل و تجربہ کی رہنمائی بڑی خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیتی رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خالقِ کائنات نے انسان سے متعلق تفصیلی ہدایات کا باقاعدہ اہتمام کیا اور کائنات میں صرف مرکز و بنیاد متعین کرنے پر اکتفاء کیا۔

نیز انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم تعلیم و تربیت کے ذریعہ سیرت سازی کی شاندار "فیکٹریاں" قائم کرتے رہے لیکن اپنے "معجزات" کے ذریعہ کائناتی تصرفات کا صرف "رخ" بتا کر عقل و تجربہ کی رہنمائی پر اعتماد کرتے رہے جیسا کہ عربی شاعر نے کہا ہے۔

وقد قیل ان المعجزات تقدما بما ترتقی فیہ الخلیقۃ فی مدی

ہدایات کا آخری ایڈیشن اور قدرتی انتظامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سلسلۂ انبیاء کی آخری کڑی تھے اور آپ کی لائی ہوئی ہدایتیں الٰہی ہدایات کا آخری ایڈیشن تھیں اس بنا پر لازمی طور سے آپ کی تفہیمات و تعلیمات زیادہ جامع و مکمل ہیں۔

اگر قرآن حکیم میں ایک طرف انسان کی زندگی سے متعلق تفصیلی احکام موجود ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیرت سازی کا عظیم الشان "کارخانہ" قائم کیا ہے۔

تو دوسری طرف کائناتی تصرفات سے متعلق قرآن حکیم کے بڑے حصہ میں حقائق موجودات محاسنِ کائنات، مناظرِ قدرت، مظاہرِ فطرت اور تسخیرِ کائنات وغیرہ کا تذکرہ محفوظ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معجزات کے ذریعہ موجودہ دور میں ہونے والی ترقیات کی جانب بھی اشارہ کر دیا ہے۔

چنانچہ جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کا گہری نظری سے مطالعہ کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ "سائنٹفک" دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزولِ قرآن کی تاریخ چھٹی صدی عیسوی سے ہوا ہے۔

قرآن حکیم اور رسولِ کائنات ہی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں ذرہ سے لیکر آفتاب و ماہتاب تک اپنی اصلی ساخت و مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت گزاری کے لئے پیدا ہوئی ہیں اور انسان کو یہ صلاحیت بخشی گئی ہے کہ وہ عقل و تجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کر کے اپنے استعمال میں لائے۔

یہ اُس زمانہ کی بات ہے جب کہ دنیا کے دیگر مذاہب سائنس کے "عناصر" کو مافوق القوۃ اور مقدس اشیاء سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے یا اس خیال کے ماتحت کہ خالقِ کائنات نے کائنات کو پیدا کر کے حکمرانی کے لئے "شیطان" کے حوالہ کر دیا ہے، مطالعۂ فطرت کو مذموم جانتے تھے اور جو کوئی اس کی جانب توجہ کرتا بھوت پلید سے اس کا تعلق جوڑتے تھے۔

اسلام کے اسی تخیل اور مقامِ انسان کے اسی تعین کے پیشِ نظر جیسی جیسی خواہشیں اور ضرورتیں

بڑھتی گئیں مسلمان برابر کائناتی تصرفات کی طرف توجہ کرتے رہے اور سائنس کے "عناصر" کو قابو میں لانے کی کوشش میں مصروف رہے حتیٰ کہ یورپ کو اس قابل بنایا کہ وہ "نشأۃ ثانیہ" کی بنیاد رکھ سکے۔ اس موضوع پر حق پرست محققین نے کافی مواد فراہم کر دیا ہے اس لئے مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اخذ و استفادہ میں یورپ کی پہاڑ جیسی غلطی کی نشاندہی ضروری ہے۔

یورپ کی پہاڑ جیسی غلطی | اس میں شک نہیں کہ یورپ نے کائنات سے متعلق اسلامی ہدایتیں قبول کیں، لیکن انسان سے متعلق اس کی گہری اور دُور رس ہدایتوں کو بڑی حد تک اس نے فراموش کر دیا۔ اس کی وجہ حقیقت بینی و حق شناسی کی نگاہ نہ تھی بلکہ عیسوی مذہب کی زندگی کش پالیسی اور صلیبی جنگوں سے پیدا شدہ رقابت تھی کہ جس کی بنا پر مذہب اسلام سے اپنی تسکینِ حیات کا سامان نہ کر سکا۔ پھر جو قوم اس مذہب کی حامل تھی وہ جوانی سے گزر کر ضعیفی کے دَور میں داخل ہو چکی تھی جس کی وجہ سے یہ مذہب اپنی تمام تر بلندیوں اور ترقیوں کے باوجود اصلی شان و شوکت کے ساتھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ اِدھر نئی زندگی میں جس قسم کے خیالات و افکار پرورش پا رہے تھے اور ان سے جیسی معاشرتی زندگی "نمودار" ہونے والی تھی اس کے ساتھ سمجھوتہ کے لئے ایک ایسے مذہب کی ضرورت تھی کہ جس سے وقتِ ضرورت نفس کی تسلّی کا کام تو لیا جاتا رہے باقی اور حالات و معاملات میں وہ دخیل نہ بن سکے۔ غرض ان وجوہات کی بنا پر نئی دنیا کو یہ "نسخۂ شفا" میسّر نہ آ سکا اور سیاسی مذہب کے دامن میں پناہ لینے کو غنیمت جانا لیکن اس سے نہ انسان کا اصل مسئلہ حل ہوا اور نہ ہی دیگر اُلجھے ہوئے مسائل کا خاطر خواہ حل نکلا بلکہ جب صورتِ حال زیادہ بگڑی تو انسان نے قلبِ ماہیت کی تکمیل کر کے "اشتراکیت" کے دامن میں پناہ لی اور بالآخر اس کی "قساوت" نے انسان کو آتش فشاں پہاڑ پر بٹھا دیا، اب دنیا کے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو یہ "آتش فشاں" معمولی جھٹکے کے ذریعہ اس کو نیست و نابود کر دے اور یا فطرت خود اُبھر کر سامنے آئے اور موجودہ انسان کے "کام و مقام" کا جائزہ لے کر زندگی کی از سرِ نو تنظیم و تعمیر کرے ——— ؟